خواجہ الطاف حسین حالؔی: نظم ونثر میں مشرق ومغرب کی کشمکش اور انیسویں صدی کے اثرات

تہمینہ نور ☆

انیسویں صدی میں مسلمانوں کی سب سے بڑی آزمائش یورپ کے علمی افکار کی صورت میں ہندوستان پر نازل ہوئی۔ یورپ میں علومِ اجتماعی کی ترقی کے ساتھ ساتھ ہر چیز کی بنیاد عقلیت اور سائنسی تجربات پہ رکھی گئی تھی[۱]۔ انیسویں صدی کا سب سے بڑا مسئلہ ''عقلیت پسندی'' ہے جو یورپ سے ہندوستان پہنچی۔ جس کے تحت حقیقت تک رسائی کا سب سے بڑا معیار عقل تھی[۲]۔ انیسویں صدی صنعتی انقلاب اور سائنس وٹیکنالوجی کی صدی تھی۔ اس صدی میں مشرق ومغرب، مذہب وسائنس، شہنشاہیت اور جمہوریت، جاگیرداری اور سرمایہ داری، غرض ہر چیز ایک دوسرے سے دست وگریباں ہو رہی تھی[۳]۔ انیسویں صدی میں سب سے زیادہ خطرہ مذہب اور اخلاقی اقدار کو تھا۔ کیونکہ اس صدی میں مادّیت کا پلڑا بھاری ہو رہا تھا اور مادّی فوائد نے روحانیت کو پچھاڑ دیا تھا۔ اس دور میں مذہب اور اخلاقی قدروں کو بھی مادّیت کے پیمانے میں تولا جانے لگا تھا[۴]۔

اس دور کے کچھ ادیب اور مفکر ایسے تھے جنھوں نے زمانے کے اشاروں کو سمجھ لیا تھا اس میں بھارتیندو، سرسیّد، حالؔی، آزاد، بنکم چند، سرشار، نذیر احمد، اردوشیر، خبردار وغیرہ شامل ہیں[۵]۔ ان ادیبوں میں کچھ وہ لوگ تھے جو تاریخی شعور کے ساتھ اپنا فرض ادا کرنا چاہتے تھے اور کچھ انگریزوں کی ثناخوانی میں مشغول تھے[۶]۔ اس دور کا ایک ادیب یا شاعر ایک ہی وقت میں انگریزی حکومت کی برکتوں کی ثناخوانی بھی کرتا ہے اور اپنی تہذیب، اپنے اہلِ وطن کی بدحالی کا ذمہ دار بھی ٹھہراتا ہے[۷]۔

ہندوستانی معاشرے میں روحانیت ومادّیت، مشرق ومغرب کی کشمکش کی واضح مثالیں اسی صدی میں سب سے زیادہ نظر آتی ہیں۔ اس مقالے میں انیسویں صدی کے نامور ادیب اور شاعر حالؔی کی نظم نثر پر انیسویں صدی اور مغرب کے اثرات کا مختصر

☆ ریسرچ اسکالر، شعبۂ اردو، جامعہ کراچی۔

جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

حالؔی کے حالاتِ زندگی کی تفصیل کئی کتابوں اور تذکروں میں موجود ہے ۸۔ حالؔی کی تحریروں پر انیسویں صدی کے اثرات کا جائزہ لینے کے لیے ان کی زندگی کے کچھ گوشوں پر نظر ڈالنا ضروری ہے۔ حالؔی نے بیس سال کی عمر میں ۱۸۵۷ء کی جنگ کی ہولناکیاں دیکھیں۔ لیکن وہ برطانوی حکومت کی بعض آزادیوں اور سرسیّد کی سیاسی فکر سے اس حد تک متاثر ہوئے کہ حقیقت کو فریب سے جدا نہ کرسکے ۹۔ حالؔی کے مذہبی اور سیاسی افکار سرسیّد کے مذہبی اور سیاسی افکار سے جدا نہ تھے ۱۰۔ حالؔی مغرب کے مادّی فلسفے کے سخت مخالف اور مغرب کی مادّی ترقی کے حامی تھے ۱۱۔ حالؔی نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز انیس بیس سال کی عمر سے کیا۔ جیسے جیسے ان کا مطالعہ وسیع ہوتا گیا ان کے افکار و خیالات میں تبدیلی آتی چلی گئی ۱۲۔

۱۸۶۹ء میں حالؔی کو پنجاب گورنمنٹ بک ڈپو میں نوکری مل گئی تھی جہاں ان کے ذمّے یہ کام تھا کہ انگریزی سے ترجمہ کی ہوئی کتابوں پر نظرِ ثانی کریں اور ان کی عبارت دُرست کریں ۱۳۔ اس دور میں حالؔی انگریزی زبان و ادب کی بہت سی کتابوں کے مفہوم و مطالب سے آشنا ہوگئے تھے ۱۴۔ انگریزی ادب کی تنقیدی کتابوں نے حالؔی پر اس قدر اثر ڈالا کہ ان کی توجہ فارسی لٹریچر کی طرف سے کم ہونے لگی ۱۵۔ حالؔی مغربی زبان و ادب سے بہت متاثر ہوئے جس کے اثرات ان کی نثر پر نظر آتے ہیں۔ وہ اپنی نثر میں انگریزی الفاظ بلاتکلف استعمال کرتے ہیں اور کہیں کہیں تو شعر میں بھی لے آتے ہیں ۱۶۔

حالؔی نے تیس بتیس سال کی عمر ادبی اور مذہبی ماحول میں گزاری پھر سیاسی شعور پیدا ہوا اور انھوں نے سرسیّد کے چراغ راہ سے منزل کا پتہ چلا لیا۔ ۱۸۷۱ء سے لے کر زندگی کے آخری لمحوں تک یہی مشن حالؔی کے کاموں میں ملتا ہے ۱۷۔ انیسویں صدی ایک انتہائی پرآشوب صدی تھی اس دور میں عیسائی مبلغین نے بہت فتنے پھیلا رکھے تھے اس زمانے میں ایک پادری عمادالدین پانی پتی نے ''ہدایت المسلمین'' نامی کتاب مسلمانوں کے خلاف لکھی جس کے جواب میں حالؔی نے ۱۸۶۷ء میں ''رسالہ تریاق مسموم'' لکھا ۱۸۔ یہ رسالہ حالؔی کی مذہبی سوچ کی عکاسی کرتا ہے۔

دہلی آنے کے بعد حالؔی نے ''علی گڑھ گزٹ'' کے علاوہ رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' کے لیے بھی لکھنا شروع کیا ۱۹۔ مقالاتِ حالؔی میں ایک مضمون ''نبی کی ضرورت ایک وجدانی شہادت'' کے عنوان سے موجود ہے جس میں حالؔی نے یورپ کی برتری کا اظہار کرتے ہوئے سرسیّد کی طرح اپنی قوم کو غفلت سے نکال کر اہلِ یورپ کے علوم و فنون کی ترغیب دلائی ہے ۲۰۔ اس مضمون سے حالی کی مغرب سے مرعوبیت کا اظہار ہوتا ہے۔

حالؔی کا ایک اور مضمون ''جب زمانہ بدلے تم بھی بدل جاؤ'' اسی حوالے سے لکھا گیا ہے اس مضمون کے آخر میں حالؔی نے لکھا ہے کہ: ''بارِ خدا ہماری قوم کو تقلید بے جا اور وضعداری بے سر و پا سے نجات دے اور ان کو دینی و دنیوی ترقیات پر آمادہ کر، ان کا ادب ان کو قدماء سے آگے نہیں بڑھنے دیتا، ان کی وضعداری پستی سے بلندی کی طرف نہیں جانے دیتی۔'' ۲۱ یہ مضمون بھی حالؔی کی مغرب پرستی کا اظہار کرتا ہے۔

اسی دور میں حالؔی نے مولوی ذکاءاللہ کی ''تاریخ ہندوستان'' جو سولہ جلدوں پر مشتمل ہے اس کے حصّہ دوم پر اچھی خاصی

بحث کی ہے اور اس کتاب کا تجزیہ کرتے ہوئے عام ہندوستانی تاریخوں کے عیب گنوانے کے ساتھ ساتھ حالی نے جدید مستشرقین کی وسعت نظر کی بھی تعریف کی ہے۲۲۔ غالباً حالی مغرب کی تاریخ نویسی سے بھی متاثر تھے جس کا اظہار اس تجزیے سے ہوتا ہے۔

۱۸۷۶ء میں دہلی سوسائٹی کے ایک عظیم الشان جلسے میں حالی نے ''ہمدردی'' پر لیکچر دیا تھا اور بالواسطہ اور بلاواسطہ انگریز حکومت کی تعریف کی تھی۲۳۔ ۱۸۷۸ء میں حالی نے اپنی نظم ''زمزمۂ قیصری'' لکھی تو اس کے حاشیے میں بہت سی باتیں انگریزوں کے خلاف لکھیں حالاں کہ اس دور میں حالی انگریزوں کے خوشامدی کی حیثیت سے مشہور تھے۲۴۔ ''زمزمۂ قیصری'' کے حاشیے میں ایک بالکل مختلف حالی کا عکس نظر آتا ہے جو انگریزوں کی خامیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اس دور میں عیسائی پادریوں کا اسلام کے خلاف کتابیں لکھنا عام تھا۔ پادری عماد الدین کی ایک اور کتاب ''تاریخ محمدی'' پر حالی نے ایک تنقیدی مقالہ لکھا تھا جو ''تاریخ محمدی پر منصفانہ رائے'' کے نام سے ۱۸۷۱ء یا ۱۸۷۲ء میں شائع ہوا یہ کتاب اب نایاب ہے۲۵۔ جس سے حالی کی مذہبی سوچ کی عکاسی ہوتی ہے۔

حالی نے رسالہ تہذیب الاخلاق میں ایک مضمون بعنوان ''کیا مسلمان ترقی کر سکتے ہیں'' ۱۸۸۰ء میں لکھا اس مضمون میں حالی لکھتے ہیں کہ: مسلمانوں کی مذہبی تعلیم دنیوی ترقی کے لیے مانع ہے پس تاوقت یہ کہ مسلمان مذہب سے دست بردار نہ ہوں دنیوی ترقی نہیں کر سکتے ۲۶۔ اس مضمون سے بھی حالی کی مغرب سے مرعوبیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

سرسیّد ۱۸۸۰ء تک کئی ایسی کتابیں لکھ چکے تھے کہ قوم کو ان سے بدگمانی پیدا ہوگئی تھی۔ تحقیق لفظِ نصاریٰ، تبیین الکلام، احکام طعام، تفسیر القرآن وغیرہ۔ اس کے علاوہ لوگوں کو علی گڑھ کالج اور ''تہذیب الاخلاق'' سے بھی عناد پیدا ہوگیا تھا۔ حالی نے سرسیّد، علی گڑھ کالج اور تہذیب الاخلاق کے حوالے سے عوام کی بدگمانی دور کرنے کے لیے ایک مضمون تحریر کیا ۲۷۔ ۱۸۸۳ء میں حالی نے پردے پر ایک مضمون بعنوان مسئلہ ''حجاب زناں'' لکھا اس مضمون میں انھوں نے بے پردگی کو معیوب قرار دیا۔ اس مضمون کے آخر میں لکھتے ہیں کہ

> ''پردے کے محکم اور مضبوط قاعدے کو ہاتھ سے نہ چھوڑو کہ اس اخیر زمانے میں صرف یہی ایک چیز باقی رہ گئی ہے۔ جس کی بدولت ہم تمام قوموں پر فخر کر سکتے ہیں۔ اور صرف یہی ایک چیز ایسی ہے جس سے قوم میں غیرت و حمیت باقی رہ سکتی ہے'' ۲۸۔

ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان کا کہنا ہے کہ: یہ مضمون ظاہر کرتا ہے کہ حالی انگریزوں کی ہر چیز کو قبول نہیں کرتے تھے۔ ۲۹۔ ۱۸۹۳ء میں علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں حالی کا ایک مضمون شائع ہوا۔ ''موت کے یقین سے ہم کو کیا سبق لینا چاہیے'' اس مضمون میں علماء، صوفیہ اور حکماء کے خیالات سے بحث کر کے موت کی حقیقت بیان کرنے کی کوشش کی ہے ۳۰۔ اس مضمون سے حالی کی مذہبی سوچ کا اظہار ہوتا ہے۔ ۱۸۹۹ء میں سرسیّد کی تفسیر کی حمایت میں ایک مضمون لکھا کہ ''قرآن مجید میں اب نئی تفسیر کی گنجائش باقی ہے یا نہیں'' اس مضمون میں حالی نے اس اعتراض کا جواب دینے کی کوشش کی ہے کہ ''جو معنی قرآن کے انھوں نے لکھے ہیں نہ وہ خدا کو سوجھے نہ رسول کو'' ۳۱۔ یعنی سرسید کو تفسیر قرآن لکھنے کے بعد جس قدر مخالفت کا سامنا کرنا پڑا اس مضمون کے ذریعے حالی نے اس

مخالفت کے اثرات ختم کرنے کی کوشش کی ہے۔

حالی برٹش حکومت کے حوالے سے اپنے مضمون ''ہم جیتے ہیں یا مر گئے'' میں لکھتے ہیں کہ امن اور آزادی جو برٹش حکومت کی بدولت ہم کو اس زمانے میں حاصل ہے وہ کسی اور عہد اور کسی اور دور میں ہندوستان کا نصیب نہ ہوئی (تہذیب الاخلاق۔۱۸۹۴ء) ۳۲۔ سرسید اور ان کے رفقاء برٹش گورنمنٹ کو ہندوستان کے لیے راحت سمجھتے تھے جس کا اظہار حالی نے بھی اپنی تحریروں میں اکثر مقامات پر کیا ہے۔

حالی کی سوانح نگاری:

۱۸۸۶ء میں ''حیات سعدی'' منظرِ عام پر آئی۔ یہ کتاب دو حصّوں پر مشتمل ہے پہلا حصہ شیخ سعدی کی سوانح کے متعلق ہے ۳۳۔ دوسرے حصّے میں کلام پر تبصرہ ہے اور اس میں گلستان، بوستان کے ترجموں کا ذکر ہے ۳۴۔ حالی کی تحریروں پر جدید اثرات کے حوالے سے سید عبداللہ کا کہنا ہے کہ: وہ دورِ تنزل کے احساس کا دور تھا۔ ان کتابوں میں قومی انحطاط کا مرثیہ اور قوم کے جاگنے کا مشورہ اس طرح شامل ہے کہ جیسے وہ کتاب کے جز ہیں ۳۵۔ اس دور کے تمام مصنفین مغربی نقطۂ نگاہ سے بحث کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں ''آزدی جمہور'' اور ''آزادی رائے'' مسلمانوں کے مذہب کا حصہ ہے۔ مگر یورپ کے زیرِ اثر مسلمان مصنفین کو یہ سبق یاد آیا۔ سعدی کی زندگی میں جو آزادی اور بے خوفی کی مثالیں ہیں ان پر حالی اور شبلی نے بہت زور دیا ہے ۳۶۔

''حیات سعدی'' میں حالی نے سعدی کی زندگی پر ماحول کے اثرات کا جائزہ لینے کی کوشش کی ہے مثلاً سعدی کا شیراز میں پیدا ہونا، بغداد میں تعلیم حاصل کرنا، سیر و سیاحت میں مشغول رہنا اور خاص ماحول دآب وہوا میں پرورش ہونا، یہ ایک جدید چیز ہے اور اس پر زیادہ توجہ یورپ کی پیروی میں پیدا ہوئی ۳۷۔ مولانا حالی ''حیاتِ جاوید'' کے مقابلے میں اپنی تصانیف ''حیاتِ سعدی'' اور ''یادگار غالب'' کو غیر محققانہ خیال کرتے تھے ۳۸۔ سیّد عبداللہ کے مطابق: مصنف کے خیال کے برعکس یہ ایک اوریجنل تصنیف ہے اس میں تنقید کا جو انداز اختیار کیا گیا ہے اس کی وجہ سے یہ کتاب بہت اہم قرار دی جاتی ہے ۳۹۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نے ''حیاتِ سعدی'' کو اُردو سیرت نگاری میں سب سے پہلی کامیاب کتاب قرار دیا ہے ۴۰۔

ڈاکٹر سیّد شاہ علی کے مطابق: باوجود مغرب سے متاثر ہونے کے ماسٹر رام چندر یا ہندی اور بنگالی سوانح نگاروں کی طرح انھوں نے مغربی مشاہیر کو موضوع نہیں بنایا ۴۱۔ سیّد عبداللہ کے مطابق: حالی نے نثری اُسلوب میں سائنسی انداز اختیار کیا ہے۔ سوانح عمری کا فن بھی سائنس کی حد میں داخل ہے۔ سچائی، بے تعلقی، غیر جانب داری، ہو بہو بیان، جزئیات کا انتخاب کسی معقول معیار کے مطابق یہ سب باتیں سائنسی طریقہ کار میں شامل ہیں۔ اور ایک سوانح نگار کے لیے ان سے فائدہ اُٹھانا ضروری ہے۔ (خواہ وہ سوانح عمری مریم کی ہو یا قرۃ العین طاہرہ کی) یہاں تک تو سائنس داں بننا ہی پڑتا ہے۔ اور اس حد تک حالی بلاشبہ ایک سائنسی قسم کے سوانح نگار تھے ۴۲۔

''یادگارِ غالب'' ایک شفیق اُستاد کی داستان ہے ۴۳۔ حالی نے ''یادگارِ غالب'' لکھ کر ادیب، شاعر، غالب کے ہم عصر عزیز

دوست اور شاگرد ہونے کے لحاظ سے تمام شرائط پوری کر دیں جو سوانح نگاری کے لیے ضروری قرار دی جاتی ہیں ۴۴۔ ''یادگارِ غالب'' غالب کی اوّلین سوانح عمری ہے۔ موضوع، شخصیت، اہمیت اور انفرادیت کے سوانحی نظریات و معیارات پر پوری اُترتی ہے ۴۵۔

حالی نے ''حیاتِ جاوید'' میں سرسید کی زندگی کی کوئی اہم تفصیل نظر انداز نہیں کی۔ انھوں نے اپنے مشاہیر کے بارے میں وہ باتیں بھی لکھ دیں جو شبلی اپنے مشاہیر کے متعلق لکھنا کبھی گوارا نہ کرتے ۴۶۔ حالی مغربی سوانح نگاری کے اُصول سے واقف معلوم ہوتے ہیں مگر انھوں نے مغربی اُصولوں کو بغیر نقد و جرح کے دُرست تسلیم کر لیا تھا ۴۷۔ حالی نے سرسیّد کے ساتھ طویل عرصہ بسر کیا۔ اگر وہ چاہتے تو ان کے نام کے ساتھ ساتھ اپنا نام بھی لے آتے مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا اور اس طویل سوانح نگاری میں اپنی ذات کو کنارے پر رکھا ۴۸۔ ''حیاتِ جاوید'' میں حالی کا تبلیغی انداز اور ترغیبی مواد ایسا ہے جس کا سوانح عمری سے کوئی واسطہ نہیں ۴۹۔

مقدمہ شعر و شاعری:

حالی نے اُردو ادب کو تنقید سے آشنا کیا۔ اور اپنے دیوان کا مقدمہ لکھ کر اُردو ادب میں تنقید کی بنیاد ڈالی ۵۰۔ ''حالی نے مغربی ادب کے بالواسطہ مطالعے اور تنقید کے مغربی معیاروں سے خام واقفیت کی بنا پر مشرقی اُصول تنقید سے انحراف کیا ہے اور اُردو کی اصناف سخن کا ان کے صحیح پس منظر میں جائزہ نہیں لیا ہے ۵۱۔ حالی نے مغربی معیاروں کو کلچر کے فرق اور شعری ارتقاء کے امتیاز کے بغیر اپنے ادب پر منطبق کیا ۵۲۔ حالی نے افادیت، مقصدیت اور اصلاح کو ہی سب کچھ مان کر نفسیاتی مطالعے، فنی تجزیے اور دوسرے عوامل کو جس طرح نظر انداز کیا ہے اس کا نتیجہ ترقی پسند تنقید میں سامنے آیا ہے ۵۳۔

حالی مغربی علوم کے مداح تھے، انھوں نے تنقید میں بھی مغربی اُصول ہی دہرائے ہیں۔ اُردو ادب کو مغرب کی عینک سے دیکھا ہے اور اسے مغربی اُصولوں کی کسوٹی پر پرکھا ہے ۵۴۔ انھوں نے قدیم شاعری اور قصائد کی مذمت تو کر دی ہے مگر یہ نہیں بتایا ہے کہ ادب کا یہ ذخیرہ قابلِ مذمت کیوں ہے؟ وہ کیا اسباب تھے جن کے ماتحت اُردو شاعری نے یہ رنگ قبول کیا؟ ۵۵۔ حالی اُردو شاعری کو مسلمانوں کے انحطاط کا ذمّے دار سمجھتے تھے جب کہ اُردو شاعری کے انحطاط کی ذمّے داری قوم اور حکومت وقت پر تھی۔ شاعر جو کچھ دیکھ رہے تھے وہ ہی کہہ رہے تھے۔ شاعر اگر امراء و رؤساء کے شہوانی جذبات کی تسکین کا سامان نہیں کرتے تو بھوکے مرجاتے مگر حالی نے بری طرح شاعروں کو قصوروار ٹھہرایا ہے ۵۶۔

گنہگار واں چھوٹ جائیں گے سارے جہنم کو بھر دیں گے شاعر ہمارے ۵۷۔

حالی کی مذہبی شدت پسندی کا اثر ان کی تنقید ''مقدمہ شعر و شاعری'' میں بھی نظر آتا ہے ۵۸۔ ''مقدمہ شعر و شاعری'' اور ''یادگارِ غالب'' ان کی مستقل تنقیدی تصانیف ہیں۔ ''حیات جاوید'' اور ''حیات سعدی'' اگرچہ سیرت نگاری سے تعلق رکھتی ہیں۔ لیکن ان میں بھی تنقیدی پہلو نمایاں ہے ۵۹۔ حالی نے ''مقدمہ شعر و شاعری'' میں سر والٹر اسکاٹ کی شاعری کی مثال پیش کی ہے کہ وہ ایک مطلب کو نئے نئے اُسلوب سے ادا کرتا تھا۔ جب وہ ''روکبی'' کا قصہ لکھ رہا تھا تو پاکٹ بک میں چھوٹے چھوٹے خودرو پھول، پتے اور میوے جو وہاں اُگ رہے تھے ان کی تفصیل نوٹ کر رہا تھا۔ کسی کے پوچھنے پر اس نے جواب دیا کہ کائنات میں دو چیزیں بالکل

یکساں نہیں ہیں اس بات کو بنیاد بنا کر حالؔی نے والٹر اسکاٹ کی اصلیت کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ جس شخص کا مشاہدہ وسیع ہوگا وہ ایک مضامین کو کئی طرح بیان کرنے پر قدرت رکھے گا ۶۰۔ حالؔی نے مقدمہ شعر و شاعری کی بنیاد ملٹن کے اس قول پر رکھی کہ:

''شعر کی خوبی یہ ہے کہ سادہ ہو، جوش سے بھرا ہوا ہو، اور اصلیت پر مبنی ہو'' ۶۱۔ ''وہ کلام جس میں نہ سادگی نہ جوش نہ اصلیت تینوں چیزیں نہ پائی جائیں سو ایسے کلام سے ہمارے شعراء کے دیوان بھرے پڑے ہیں کیونکہ ہماری شاعری زیادہ تر دو قسم کے مضامین میں منحصر ہے۔ عشقیہ یا مدحیہ، عشقیہ مضامین اکثر غزل، مثنوی اور قصائد کی تشبیب میں باندھے جاتے ہیں اور مدحیہ مضامین زیادہ تر قصائد میں'' ۶۲۔

قصیدے کے حوالے سے حالؔی کا کہنا ہے کہ: قصیدے میں بھی صرف چند معمولی سرکل ہیں جن میں ہمیشہ ہمارے شعراء شبدیز فکر کو کاوے دیتے رہتے ہیں اگر کسی نے زیادہ شاعری کے جوہر دکھانے چاہے تو وہ مدح سے پہلے ایک تمہید لکھتا ہے۔ اس میں یا تو فصل بہار کا ذکر ہوتا ہے (اگر چہ اس وقت خزاں ہی کا موسم ہو) مگر اس ذکر میں ناپاک دنیا کی فصل بہار سے کچھ بحث نہیں ہوتی بلکہ ایک اور عالم سے بحث ہوتی ہے جو عالم امکاں سے بالاتر ہے ۶۳۔ قصیدے میں مدح اور مدح کے لیے استعمال کیے جانے والے مخصوص الفاظ پر بھی حالؔی نے مقدمہ شعر و شاعری میں اعتراض کیا ہے ۶۴۔ غرض کوئی بات ایسی نہیں بیان کی جاتی جس پر ممدوح فخر کر سکے یا جس سے لوگوں کے دل میں اس کی عظمت اور محبت پیدا ہو اور اس کے محاسن زمانہ میں یادگار رہیں ۶۵۔

مثنویوں کے حوالے سے حالؔی کا کہنا ہے کہ: ہماری مثنویوں میں معمولی حمد و نعت کے بعد کسی بادشاہ زادہ، وزیر زادہ، امیر زادہ یا سوداگر کے حسن و جمال کی تعریف کے بعد اس کے عشق کی داستان بیان ہوتی ہے بالآخر اسے وصل نصیب ہو جاتا ہے البتہ کچھ شاعروں کی مثنویاں تاریخی، مذہبی اور اخلاقی مضامین پر بھی لکھی گئی ہیں ۶۶۔ حالؔی اپنی مثنویوں کا شائستہ ملکوں کی مثنویوں سے موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہاں ہمیشہ مثنوی کا موضوع حقیقی واقعات پر مبنی ہوتا ہے اور پھر ان سے وہ اخلاقی پولیٹیکل اور سوشل نتائج نکالتے ہیں جن سے قوم کے اخلاق و معاشرے پر اثر ہوتا ہے۔ ہمارے ملک کی مثنویوں کی طرح ان کے مطالعے سے صرف عوام الناس اور بازاری لوگ محفوظ نہیں ہوتے۔ بلکہ علماء و فضلاء کی محفلوں میں بھی ان کی قدر کی جاتی ہے ان مثنویوں کا انجام ہمیشہ کامیابی اور خوشی پر ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ عادت الٰہی کے مطابق کبھی خوشی اور کبھی غم و اندوہ پر ہوتا ہے ۶۷۔

حالؔی نے مقدمے میں نیچرل شاعری کی یہ تعریف بیان کی ہے کہ نیچرل شاعری سے مراد وہ شاعری ہے جو لفظ و معنی دونوں حیثیتوں سے نیچرل یعنی فطرت یا عادت کے موافق ہو ۶۸۔ معنی نیچرل کے موافق ہونے سے یہ مطلب ہے کہ شعر میں ایسی باتیں بیان کی جائیں جیسی کہ ہمیشہ دنیا میں ہوا کرتی ہیں یا ہونی چاہییں پس جس شعر کا مضمون اس کے خلاف ہوگا وہ ان نیچرل سمجھا جائے گا ۶۹۔ حالؔی نے نیچرل شاعری کی جو تعریف بیان کی ہے اگر اسے انیسویں صدی کے شعراء پر لاگو کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آئے گی کہ اس دور کے شعراء کے یہاں بھی زوال کی داستانیں اور دلی کے نوحے موجود ہیں اگر کوئی غلامی پر ماتم کناں یا کفار کی حکومت کے ظلم و ستم کا شکار ہو گیا تو یقیناً اس شاعر کے یہاں یہی یا اس سے ملتے جلتے موضوعات نظر آئیں گے اور اس دور کی نیچرل شاعری کہلائے گی جبکہ حالؔی نیچرل شاعری اور مغرب کے ترازوں میں تمام اصناف کو تولتے ہوئے نظر آتے ہیں البتہ یہاں حالؔی نے

چند مشہور شعراء کے مشہور اشعار کو نیچرل شاعری قرار دیا ہے۔ مثال کے طور پر!

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا ۱۰؎

رنج سے خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہوگئیں ۱؎

حالی نے غزل پر یہ اعتراض کیا کہ اس کی بنیاد عشقیہ مضامین پر رکھی جاتی ہے۔ اور اگر غزل میں عشقیہ مضامین نہ ہوں تو اس کا مقبول ہونا مشکل ہے ۲؎۔ وضع کے لحاظ سے غزل کا موضوع عشق و محبت کے سوا کوئی اور چیز نہیں لیکن ہمارے شعراء نے غزل کو ہر مضمون کے لیے عام کر دیا ہے ۳؎۔ حالی نے غزل کے موضوع، اس کے اُسلوب اور الفاظ کے استعمال کے حوالے سے اخلاق اور مذہب کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کئی ایک اخلاقی مشورے دیے ہیں۔ جن پر عمل کرنے سے غزل فحش گوئی، ابتذال اور غیر اخلاقی مضامین سے پاک ہوسکتی ہے۔ مقدمے میں حالی اہل یورپ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''اہلِ یورپ جو آج لٹریچر میں بھی مثل علوم و فنون و صنائع کے تمام دنیا سے فائق ہیں۔ اس کا سبب اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ دنیا میں کوئی مشہور قوم ایسی نہیں جس کی شاعری اور انشاء کا لب لباب ان کی زبانوں میں موجود نہ ہو۔ پس ہم کو بھی چاہیے کہ جس قوم اور جس زبان کے خیالات ہم کو بہم پہنچیں۔ ان سے جہاں تک ممکن ہو فائدہ اُٹھائیں۔ اور صرف انھیں چند فرسودہ اور بوسیدہ خیالات پر جو صدیوں سے برابر بندھتے چلے آتے ہیں۔ قناعت کرکے نہ بیٹھ رہیں۔ کیونکہ علم و ہنر میں قناعت ویسی ہی قابل ملامت ہے جیسی مال و دولت میں حرص'' ۴؎ ایک اور جگہ یہ مشورہ دیتے ہیں کہ:

!''غزل میں ہر قسم کے لطیف و پاکیزہ خیالات بیان کیے جائیں۔ اس کو تمام انسانی جذبات کے ظاہر کرنے کا آلہ بنایا جائے۔ اور باوجود اس کے اس کو ایسے لباس میں ظاہر کیا جائے۔ جو بادی النظری میں اجنبی اور غیر مانوس نہ ہو۔'' ۵؎

حالی نے اُردو مرثیہ گوئی کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ میر انیس کو مرثیہ گوئی کی داد دینے کے باوجود ان کے نزدیک رزم و بزم، فخر و خود ستائش، سراپا، لمبی لمبی تمہیدیں، توطیے، باندھنے، گھوڑے اور تلوار وغیرہ کی تعریف اور شاعرانہ ہنر دکھانا مرثیے کے موضوع کے خلاف ہے۔ ۶؎

''یورپ میں لوگوں نے شعر سے بڑے بڑے کام لیے ہیں۔ خصوصاً ''ڈریمیٹک پوئٹر'' نے یورپ کو جس قدر فائدہ پہنچایا ہے اس کا اندازہ کرنا نہایت مشکل ہے۔ اسی واسطے ''شیکسپئر'' کے ڈرامے جن سے پولیٹکل، سوشل اور مورل ہر طرح کے بے شمار فائدے اہلِ یورپ کو پہنچے ہیں۔'' ۷؎

حالی بحیثیت شاعر:

حالی کا ذہن بہت پہلے سے ہی مقصدی شاعری کی جانب ہوگیا تھا۔ حالی کی شاعری کو تین حصوں یا ادوار میں تقسیم کیا

جا سکتا ہے، پہلا دور (قدیم) ۱۸۶۳ء سے ۱۸۷۴ء۔ اس دور میں حالی شیفتہ کے حلقہ اثر میں داخل ہوئے اور مستقل غزل گوئی شروع کی ۷۸۔ اس دوران حالی کے ذہن و دل پر مغرب اور سرسیّد کے خیالات بھی اثر انداز ہو رہے تھے اور فارسی ادب کی وقعت بھی کم ہو رہی تھی ۷۹۔ ۱۸۷۴ء سے ۱۸۹۳ء تک حالی کی غزل ایک نئے رجحان کی علامت ہے۔ قیامِ لاہور کے دوران ہی حالی کی غزل کا رنگ تبدیل ہو گیا تھا ۸۰۔ حالی کی قدیم غزلوں کی تعداد ۱۳۰ اور جدید غزلوں کی تعداد ۹۳ ہے ۸۱۔ کلیاتِ حالی میں غزل کا حصّہ بہت کم ہے جب کہ قومی شاعری اور نظموں کا حصّہ بہت زیادہ ہے ۸۲۔ حالی کی غزل فن اور ذوق معیار کے اعتبار سے اس قدر معتبر ہے کہ اگر حالی غزل کے علاوہ کچھ اور نہیں بھی کہتے تو اُردو شاعری کی تاریخ میں انھیں نمایاں مقام حاصل ہوتا ۸۳۔

حالی نے مناظرۂ ''واعظ و شاعر'' ۱۸۸۳ء میں لکھا اس مناظرے میں حالی نے واعظ اور شاعر کی زبان سے وہ تمام عیوب شاعری بیان کر دیے جن پر بعد میں مقدمہ شعر و شاعری کی بنیاد رکھی گئی ۸۴۔ اس وقت سرسیّد کی جس طرح مخالفت کی جا رہی تھی حالی نے اسے بھی اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ ''کلیاتِ نظمِ حالی'' میں قطعات و رباعیات کے ذیل میں ''سرسیّد احمد خاں کی مخالفت کی وجہ'' کے عنوان سے ایک قطعہ ہے جس میں انھوں نے ایک منکر کے حوالے سے سرسیّد کی تعریفیں بیان کی ہیں ۸۵۔

سرسیّد احمد خان کے مذہبی خیالات انگلستان کی فطری الہیات سے متاثر تھے۔ حالی نے سرسیّد کے اثرات قبول کیے۔ مغربی ادب کا مطالعہ، ترجموں کے ذریعے اور کچھ دوسروں کی معلّمی کے ذریعے کیا۔ مغربی ادب کی تفہیم ناقص تھی ۸۶۔ حالی اپنے مذہبی مزاج کی وجہ سے مغرب کے بہت سے خیالات کو قبول کرنے پر تیار نہ تھے ۸۷۔ تاہم حالی مغرب سے اس حد تک مرعوب تھے کہ یہ بھی لکھا کہ ''کفش دوزی کا فن علم فلاطون سے بہتر ہے'' ۸۸۔ وہ مشرق کی غلامی کا مداوا مغربی تجارت اور سرمایہ داری میں ڈھونڈتے رہے ۸۹۔ حالی کی غزلوں میں اس دور کے دیگر شعراء کی طرح تصوف، داخلیت اور خارجیت کی مثالیں موجود ہیں البتہ ان کی نظمیں انیسویں صدی کے اور خاص طور پر مغرب کے اثرات کی بھرپور عکاسی کرتی ہیں۔ یہاں ان کی غزلوں سے تصوف، داخلیت اور خارجیت کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

صوفیانہ شاعری:

قبضہ ہو دلوں پر کیا اور اس سے سوا تیرا — اک بندہ نافرماں ہے حمد سرا تیرا
محرم بھی ایسا ہے جیسا کہ ہے نامحرم — کچھ کہہ نہ سکا جس پر یاں بھید کھلا تیرا ۹۰
کامل ہے جو ازل سے وہ ہے کمال تیرا — باقی ہے جو ابد تک وہ ہے جلال تیرا
ہے عارفوں کو حیرت اور منکروں کو سکتہ — ہر دل پہ چھا رہا ہے رُعب جمال تیرا ۹۱
خلوت میں تیری صوفی گر نور صفا ہوتا — تو سب میں ملا رہتا اور سب سے جدا ہوتا ۹۲

داخلیت:

کیا جانتے تھے جائے گا جی اک نگاہ میں — تھی دل کی احتیاط مگر بیم جاں نہ تھا ۹۳

حالی کو ہجر میں بھی جو دیکھا تو شادماں — تھا حوصلہ اسی کا اتنا صبور تھا ۹۴
دل سے خیال دوست بھلایا نہ جائے گا — سینے میں داغ ہے کہ مٹایا نہ جائے گا
تم کو ہزار شرم سہی مجھ کو لاکھ ضبط — الفت وہ راز ہے کہ چھپایا نہ جائے گا ۹۵
سمجھتے تھے جس غم کو ہم جاں گزا — وہ غم رفتہ رفتہ غذا ہوگیا ۹۶
مجھ میں وہ تاب ضبطِ شکایت کہاں ہے اب — چھیڑو نہ تم کہ مرے بھی منہ میں زباں ہے اب ۹۷

خارجیت:

ہم جس پہ مر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اور — عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں ۹۸
خوبروئی کے لیے زشتی خو بھی ہے ضرور — سچ تو یہ ہے کہ کوئی تجھ سا طرح دار نہیں ۹۹
ہے تجلی بھی نقاب روے یار — اس کو کن آنکھوں سے دیکھا چاہیے ۱۰۰
بہت لگتا ہے دل صحبت میں اس کی — وہ اپنی ذات سے ایک انجمن تھا
بناوٹ سے نہیں خالی کوئی بات — مگر ہر بات میں ایک سادہ پن ہے ۱۰۱
کیوں بڑھاتے ہو اختلاط بہت — ہم کو طاقت نہیں جدائی کی ۱۰۲

حالی کی غزلوں سے زیادہ ان کی نظمیں مقصدی شاعری کے معیار پر پوری اترتی ہیں۔ یا وہ قطعات جو مختلف عنوانات کے ساتھ ''کلیاتِ نظمِ حالی'' میں شامل ہیں۔ مثلاً، جواں مردی کا ماتم، حبِّ وطن، مناظرۂ رحم وانصاف، تعصّب وانصاف، مناظرہ واعظ وشاعر ۱۰۳۔ حالی کی شاعری میں تقریباً تمام اصنافِ سخن پر طبع آزمائی نظر آتی ہے۔ ان کی شاعری میں ماوّیت بھی ہے (مدحیہ قصائد، نظموں، قطعات، ترکیب بند اور ترجیع بند کی صورت میں) اور روحانیت بھی ہے (حمدیہ مضامین، نعتیہ مضامین اور مسلمانوں کے عہدِ رفتہ کو یاد دلانے کے لیے جو تلمیحات اور ذخیرہ الفاظ استعمال کیے ہیں)۔ مقصدیت بھی ہے قوم کی اصلاح کے لیے جو نظمیں لکھیں ہیں (چاہے وہ ''مسدّس مدّ وجزرِ اسلام'' کی صورت میں ہوں۔ ''تعصّب وانصاف'' یا ''مناظرہ واعظ وشاعر'' کی صورت میں) عشقیہ مضامین بھی ہیں جو قدیم دور کی غزلوں کی صورت میں کلیاتِ نظمِ حالی میں جگمگا رہے ہیں ۱۰۴۔

مسدّس مدّ وجزرِ اسلام:

۱۸۷۹ء میں ''مسدّس مدّ وجزرِ اسلام'' شائع ہوئی۔ اس وقت سے لے کر اب تک ''مسدّس مدّ وجزرِ اسلام'' پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے ۱۰۵۔ ''مسدّس حالی'' کے دیباچے میں بھی حالی نے سرسیّد کے اثرات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ''مسدّس حالی'' سرسیّد کی تحریک پر ہی لکھی گئی تھی ۱۰۶۔

سیّد عبداللہ کا کہنا ہے کہ: اس میں کچھ شک نہیں کہ حالی کی حقیقت نگاری، متانت افادیت پسندی، اور اُسلوبِ بیاں میں مدعا نگاری اور مطلب نویسی بہت حد تک سرسیّد کی رفاقت اور محبت کے زیرِ اثر ہے ۱۰۷۔ حالی کا خیال تھا کہ مسلمانانِ ہند کے اقتدار

میں جو زوال آیا ہے اور سلطنت کی باگ دوڑ جوان کے ہاتھ سے نکل گئی ہے اس میں مسلمانوں کی عشقیہ شاعری نے بھی اُردو کی ہو یا فارسی کی اپنا کچھ کردار ادا کیا ہے ۱۰۸۔ حالی نے لوگوں کو غیرت اور عبرت دلانے کے لیے ساری ترکیبیں استعمال کیں اور ایک ایسی زبان میں شاعری کی جو روزمرّہ اور محاورے کی زبان ہے ۱۰۹۔

حالی کی مناجاتی اور تاریخی نظموں نے برصغیر کے مسلمانوں کو ان کی پستی کا احساس دلایا اور ان میں سوجھ بوجھ پیدا کی ۱۱۰۔ حالی مغرب سے بے انتہا متاثر تھے وہ سمجھتے تھے کہ مغرب کی طاقت کا سرچشمہ اس کی تجارت اور سرمایہ کاری میں ہے جب کہ حقیقت یہ نہ تھی ۱۱۱۔ مسدس کے شائع ہونے کے چھ برس بعد حالی کو احساس ہوا کہ یہ اُسلوب جس قدر غیرت دلانے والا تھا اسی قدر مایوس کرنے والا تھا۔ مصنف کی افسردگی الفاظ میں سرایت کر گئی تھی۔ نظم کا خاتمہ ایسے الفاظ پر ہوا کہ تمام اُمیدیں منقطع ہو گئیں۔ اس لیے قوم کے دل میں ایک نئی تحریک پیدا کی جائے۔ اگر تحسین کا وقت نہیں بھی آیا تو نفرین کم ہونی چاہیے۔ اس لیے ایک ضمیمہ حالی نے مسدس کے شائع ہونے کے چھے سال بعد مسدس میں شامل کیا ۱۱۲۔ مسدس کے اس بند میں حالی نے انگریزوں سے ذہنی مرعوبیت کا اظہار کیا ہے اور مسلمانوں کی پستی کا ذکر کر کیا ہے۔

نہ اہلِ حکومت کے ہم راز ہیں ہم نہ درباریوں میں سرافراز ہیں ہم
نہ علموں میں شایان اعزاز ہیں ہم نہ صنعت میں حرفت میں ممتاز ہیں ہم
نہ رکھتے ہیں کچھ منزلت نوکری میں نہ حصہ ہمارا ہے سوداگری میں ۱۱۳

۲۴ مئی ۱۸۷۵ء کو ملکہ وکٹوریہ کی سالگرہ کے دن علی گڑھ کالج کی بنیاد رکھی گئی جس پر حالی نے نظم ''مبارکباد'' سرسیّد کی خدمت میں بھیجی ۱۱۴۔ اس نظم سے بھی حالی مغرب سے مرعوبیت اور مغرب پرستی کا اظہار ہوتا ہے۔

مژدہ کہ وقت جہاں گنجِ سعادت ہے آج فتنۂ ایام سے سب کو فراغت ہے آج
آج کی ایک اک گھڑی سارے برس کا ہے مول ملک کی مخدومہ کا روز ولادت ہے آج
پودا لگاؤ گے جو ہو وے گا وہ بارور مینہ کی طرح ہر طرف بارش برکت ہے آج
مدرسہ علم و دیں کرتے ہیں قائم ثقات مزرعۂ قوم پر بارش رحمت ہے آج
رہیو مبارک سدا ساعت مسعود یہ برسوں میں ہوتی وصول یاروں کی محنت ہے آج
دولت برطانیہ روز فزوں ہو جیو قوم کو یہ دن نصیب جس کی بدولت ہے آج ۱۱۵

۱۸۸۷ء میں حالی نے انجمن اسلامیہ لاہور کے جشنِ جوبلی کے موقع پر ۲۵ شعر کا ایک قصیدہ لکھا تھا جو انجمن کے ایڈریس کے ساتھ انجمن کی طرف سے ملکہ وکٹوریہ کی خدمت میں بھیجا تھا ۱۱۶۔

ہے عید یہ کس جشن کی یارب کہ سراسر ہے جوبلی ہی جوبلی ایک اک کی زباں پر
یہ عہد کہ گزرے ہیں برس جس کو پچاس اب ست جگ سے ہے یہ ہند کے حق میں کہیں بہتر
وہ دور تعصب تھا یہ ہے دورۂ انصاف وہ جنگ کا موجد تھا یہ ہے صلح کا رہبر

جمشید پہ جب آگ ہوئی سنگ سے ظاہر ایراں میں کیا جشن سدہ اس نے مقرر
اس عہد ہمایوں میں ہزار ایسے کرشمے ظاہر ہوئے اس طرح کہ عقلیں ہوتیں ششدر
یہ جشن مبارک ہے بہت جشن سدہ سے وہ آگ نکلنے کا، یہ بجھنے کا ہے منظر
اس دورِ خجستہ میں وہ سب بجھ گئے شعلے تھی جن کی جہاں سولپٹ آگ سے بڑھ کر ۱۱؎

اس قصیدے میں حالی نے انگریزوں سے پہلے عہد کو ''دورِ تعصب'' کہا ہے۔ سرسید کی طرح حالی نے اس قصیدے میں ملکہ وکٹوریہ کے عہد کی تعریف بیان کی ہے۔ اس قصیدے میں خوشامد کا عنصر نظر آتا ہے۔ ۱۹۰۱ء میں ملکہ وکٹوریہ کے انتقال پر حالی نے مرثیہ ''ملکہ وکٹوریہ'' لکھا۔ مرثیہ ملکہ وکٹوریہ میں بھی انگریزوں کی خوشامد کا عنصر موجود ہے۔

کیجیے اقبال مندی پر اگر تیری نظر سامنے تیرے نہیں جچتا کوئی کشور کشا
مرتبہ ہے جو کہ سرحد سے تصور کی پرے قوم کو واں تک ترے اقبال نے پہنچادیا
کی تجارت نے ترقی عہد میں یاں تک ترے سلطنت ہے اس کے آگے ہیچ بے چون و چرا
جس قدر علمی فتوحات اس زمانے میں ہوئیں دہر کی تاریخ میں ملتا نہیں ان کا پتا
علم میں روزِ ازل سے تھی جو اک طاقت نہاں صاحبی میں تیری یہ راز آشکارا ہوگیا
شاعروں کے جس قدر مدح سلف میں تھے غلو حق میں تیرے وہ حقائق بن گئے سرتابہ پا ۱۸؎

اس مطالعے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مشرق و مغرب کی واضح کشمکش حالی کی نظم و نثر میں موجود ہے۔ لاہور میں پنجاب بک ڈپو کی ملازمت کے دوران مغربی کتابوں کے تراجم پڑھنے سے حالی نے مغربی خیالات کے اثرات قبول کیے۔ جس کے اثرات ان کی نثری تصانیف کے علاوہ شاعری پر بھی نظر آتے ہیں۔ حالی کے کئی ایک مذہبی مضامین، پردہ، مذہب، اور جدید علوم اور جدت پسند خیالات اپنانے کے حوالے سے مختلف رسالوں میں شائع ہوئے جو حالی کی مذہبی سوچ کی عکاسی کرتے ہیں۔ حالی جب تقلید سرسید پر آئے تو آنکھ بند کر کے سرسید کی ''تفسیر القرآن'' کی حمایت میں بھی مضمون حواشی و دلائل کے ساتھ تحریر کر دیے۔ حالی کی وقتاً فوقتاً لکھی جانے والی مدحیہ نظموں، قصائد اور قطعات نے علی گڑھ کالج کو انگریزوں سے بے شمار مراعات دلوائیں۔

حالی سرسید کی طرح مغرب سے متاثر تھے یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنی سوانح نگاری میں مغربی طرز کو اپنایا۔ ''حیاتِ جاوید'' لکھنے پہ حالی کو سب سے زیادہ تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔ حتیٰ کہ شبلی نے کتاب پڑھے بنا اس کو ''مدلل مداحی'' قرار دے دیا اس کے باوجود حالی کی سوانح نگاری میں اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ حالی نے سوانح نگاری میں ایک حد تک مغربی اصولوں کی پیروی کرنے کی کوشش کی اور سائنسی طریقہ کار کو ترجیح دی جبکہ حالی نے ''حیات جاوید'' میں سرسید کے مثبت پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے اور منفی پہلوؤں کی طرف ہلکا سا اشارہ کیا ہے تا کہ سرسید کی تاریخ ساز شخصیت پر حرف نہ آسکے۔

حالی کی ''مقدمہ شعر و شاعری'' میں مشرق و مغرب کا موازنہ موجود ہے۔ حالی نے ''مقدمہ شعر و شاعری'' مغربی شعراء، فلاسفر اور ان کے تنقیدی اُصولوں سے متاثر ہو کر لکھی تھی یہ حقیقت ہے کہ اس جیسی دوسری کوئی کتاب آج تک نہیں لکھی گئی ہے مگر اس

سے انکار بھی ممکن نہیں کہ مغرب کے اُصولوں سے متاثر ہونے کی وجہ سے حالؔی نے اردو شاعری کی اصناف و ہیئت پر غور کیے بغیر ہر جگہ مغربی اُصولوں کو مدِ نظر رکھا۔ سادگی اصلیت و جوش کا نعرہ حالؔی آخر تک لگاتے رہے تھے۔ مثنوی، مرثیہ، غزل، قصیدہ، ہجو، غرض ہر صنف شاعری کو حالؔی نے مغربی شاعری کے ترازوں میں تولنے کی کوشش کی ہے۔

مغرب کے تمام اُصول اُردو شاعری پر لاگو نہیں کیے جاسکتے ہیں مگر مقدمے میں آخر تک حالؔی اس بات پر بضد رہے کہ غزل کے موضوعات میں اصلیت و گہرائی ہو، فحش گوئی، ابتذال اور غیر معیاری زبان سے گریز کیا جائے۔ مرثیہ میں بھی سادگی کو ملحوظ خاطر رکھا جائے اور امام حسینؓ کی تصویر پیش کرتے ہوئے ایسے سراپا نگاری نہ کی جائے کہ وہ مافوق الفطرت کردار محسوس ہونے لگیں۔ قصیدے میں غیر معیاری و غیر حقیقی باتوں سے پرہیز کیا جائے تاکہ شاعری میں اثر پیدا ہو۔ مثنوی میں اخلاقی، معاشرتی اور پولیٹکل مضامین بیان کیے جائیں۔ غرضیکہ ''مقدمہ شعر و شاعری'' تنقید کی ایک بھرپور کتاب ہے۔ حالؔی کے نزدیک مذہب اور اخلاق بھی دیگر چیزوں سے زیادہ اہم تھے۔ یہی وجہ ہے کہ غزل میں جہاں عورتوں اور ان کے لوازمات کا ذکر ہے انھوں نے اس بیان کو غلط قرار دیا ہے۔ نیز امرد پرستی کے مضامین بھی حالؔی نے معیوب سمجھے ہیں۔ ''مقدمہ شعر و شاعری'' میں مغرب پرستی کے ساتھ حالؔی کی مذہب پرستی اور اخلاقی تعلیمات کی واضح کشمکش موجود ہے۔

انیسویں صدی اور مغربی تہذیب و ادب نے حالؔی کی نظم و نثر کو بے حد متاثر کیا۔ حالؔی کی نظم و نثر میں مشرق و مغرب کی بھرپور کشمکش نظر آتی ہے۔ حالی مغرب کو مشرق سے برتر اور انگریز قوم کو مسلمانوں سے بہتر تصور کرتے تھے جس کا اندازہ ان کی شاعری اور نثر سے بہ خوبی ہوتا ہے۔ بحیثیت مجموعی حالؔی کی نثر اور شاعری دونوں پر مغرب کے اثرات موجود ہیں۔

حواشی وحوالہ جات:

۱۔ عبداللہ، سیّد، سر سیّد احمد خان اور ان کے نامور رفقاء کی اردو نثر کا فنی و فکری جائزہ، ص۲۰

۲۔ ایضاً، ص۲۰

۳۔ ذوالفقار، غلام حسین، اُردو شاعری کا سیاسی و سماجی پسِ منظر، ص۸۲

۴۔ ایضاً، ص۸۲

۵۔ حسین، سیّد احتشام، اردو ادب کی تنقیدی تاریخ، ص۱۸۱،۱۸۲

۶۔ ایضاً، ص۱۸۲

۷۔ ایضاً، ص۱۸۳

۸۔ حالی کے حالاتِ زندگی کی تفصیلات کے لیے دیکھیے: خان، غلام مصطفیٰ، حالی کا ذہنی ارتقاء؛ عابد حسین، صالحہ، یادگارِ حالی؛ کلیاتِ نظم حالی، مرتبہ: افتخار احمد صدیقی؛ حالی، الطاف حسین، ترجمہ حالی: خودنوشت سوانح

۹۔ حسین، سیّد احتشام، اردو ادب کی تنقیدی تاریخ، ص۱۸۳

۱۰۔ حسین، ممتاز، حالی کے شعری نظریات ایک تنقیدی مطالعہ، ص۱۵۳

۱۱۔ ایضاً، ص۱۵۲

۱۲۔ ایضاً، ص۲۷۵، ۲۷۶

۱۳۔ عابد حسین، صالحہ، یادگارِ حالی، ص۳۴

۱۴۔ ایضاً، ص۳۴

۱۵۔ ایضاً، ص۳۵

۱۶۔ ایضاً، ص۳۵

۱۷۔ خان، غلام مصطفیٰ، حالی کا ذہنی ارتقاء، ص۸

۱۸۔ تذکرہ حالی، ص۲۵۳، بحوالہ: خان، غلام مصطفیٰ، محولہ بالا، ص۱۶

۱۹۔ خان، غلام مصطفیٰ، محولہ بالا، ص۴۳

۲۰۔ ایضاً، ص۴۴

۲۱۔ ایضاً، ص۴۵

۲۲۔ ایضاً، ص۴۷

۲۳۔ ایضاً، ص۵۱

۲۴۔ ایضاً، ص۵۹

۲۵۔ تذکرہ حالی، ص۱۲۰، بحوالہ: حالی، الطاف حسین، ترجمہ حالی، ص۱۳

۲۶۔ بحوالہ: خان، غلام مصطفیٰ، محولہ بالا، ص۴۷

۲۷۔ ایضاً، ص۴۷

۲۸۔ مقالات حالی، حصہ اوّل، مضمون نمبر ۳۱، بحوالہ: خان، غلام مصطفیٰ، محولہ بالا، ص۹۲

۲۹۔ ایضاً، ص۹۲

۳۰۔ ایضاً، ص۱۳۹

۳۱۔ ایضاً، ص۱۶۶

۳۲۔ حسین، ممتاز، محولہ بالا، ص۱۴۲

۳۳۔ حالی، الطاف حسین، دیباچہ حیات سعدی

۳۴۔ صدیقی، افتخار احمد، مقدمہ کلیات نظم حالی (ج ۱)، ص۳۵۱

۳۵۔ بحوالہ، خان، غلام مصطفےٰ محولہ بالا ص ۹۶، ۹۷

۳۶۔ عبداللہ، سیّد، سرسیّد اور ان کے نامور رفقاء کی نثر کا فنی و فکری جائزہ ص ۱۰۴

۳۷۔ ایضاً ص ۱۰۵ ۳۸۔ ایضاً

۳۹۔ ایضاً ۴۰۔ ایضاً ص ۱۰۷

۴۱۔ بحوالہ علی، سیّد شاہ، اُردو میں سوانح نگاری، ص ۱۵۶

۴۲۔ ایضاً ص ۱۵۹ ۴۳۔ ایضاً ص ۱۶۲، ۱۶۳

۴۴۔ حالیؔ، الطاف حسین، دیباچہ یادگارِ غالبؔ ص ۷

۴۵۔ علی، سیّد شاہ، محولہ بالا ص ۱۶۴

۴۶۔ عبداللہ، سیّد، وجھی سے عبدالحق تک، ص ۱۱۶

۴۷۔ ایضاً ص ۱۲۵ ۴۸۔ ایضاً ص ۱۲۸

۴۹۔ ایضاً ص ۱۳۲ ۵۰۔ ایضاً، ج ۲ ص ۳۴۰

۵۱۔ نظیر لدھیانوی، اصغر حسین خان، فن تنقید اور شعراء پر تنقیدیں ص ۲۱

۵۲۔ اختر، وحید، فلسفہ اور ادبی تنقید، ص ۱۱

۵۳۔ ایضاً ص ۱۱ ۵۴۔ ایضاً

۵۵۔ نظیر لدھیانوی، اصغر حسین خان، فن تنقید اور شعراء پر تنقیدیں ص ۲۱

۵۶۔ ایضاً ۵۷۔ ایضاً

۵۸۔ ایضاً

۵۹۔ قریشی، وحید، حالیؔ کی تنقید، مشمولہ مقدمہ شعر و شاعری، ص ۵۴

۶۰۔ بریلوی، عبادت، حالیؔ کی تنقید، مشمولہ ماہنامہ فروغ اُردو، (حالیؔ نمبر) حصہ اوّل، ص ۳۱۴

۶۱۔ حالیؔ، الطاف حسین، مقدمہ شعر و شاعری، مرتبہ: وحید قریشی ص ۱۳۹

۶۲۔ ایضاً ص ۱۵۰ ۶۳۔ ایضاً ص ۱۶۹

۶۴۔ حالیؔ، الطاف حسین، مقدمہ شعر و شاعری، مرتبہ: وحید قریشی ص ۱۷۱

۶۵۔ ایضاً ص ۱۷۲ ۶۶۔ ایضاً ص ۱۷۳

۶۷۔ ایضاً ص ۱۷۳ ۶۸۔ ایضاً ص ۱۷۴

۶۹۔ ایضاً ص ۱۸۴ ۷۰۔ ایضاً ص ۱۸۵

۷۱۔ حالیؔ، الطاف حسین، مقدمہ شعر و شاعری، مرتبہ: وحید قریشی ص ۱۸۵

۷۲ ایضاً،ص۱۸۶ ۷۳ ایضاً،ص۱۶۹

۷۴ ایضاً،ص۱۷۱ ۷۵ ایضاً،ص۱۷۲

۷۶ ایضاً،ص۱۷۳ ۷۷ ایضاً،ص۱۷۳

۷۸ خان،غلام مصطفیٰ،محولہ بالا،ص۶۵

۷۹ صدیق،افتخار احمد،مقدمہ کلیات نظم حالؔی (ج ۱)،ص۳۹

۸۰ ایضاً ۸۱ ایضاً

۸۲ ایضاً ۸۳ ایضاً

۸۴ ایضاً

۸۵ خان،غلام مصطفےٰ،محولہ بالا،ص۸۹؛نیز،صدیق،افتخار احمد،مقدمہ کلیات نظم حالؔی (ج ۱)،ص۴۴۹تا۴۶۲

۸۶ ایضاً،ص۱۹۸

۸۷ حسین،ممتاز،محولہ بالا،ص۱۲۹

۸۸ ایضاً،ص۱۲۹ ۸۹ ایضاً،ص۱۴۰

۹۰ حالؔی،الطاف حسین، کلیات نظم حالؔی،مرتبہ:افتخار احمد صدیقی (ج ۱)،ص۸۶

۹۱ ایضاً،ص۸۷ ۹۲ ایضاً،ص۵۸

۹۳ ایضاً،ص۵۹ ۹۴ ایضاً،ص۶۱

۹۵ حالؔی،الطاف حسین، کلیات نظم حالؔی،ص۶۲ ۹۶ ایضاً،ص۶۳

۹۷ ایضاً،ص۶۴ ۹۸ ایضاً،ص۶۸

۹۹ ایضاً،ص۷۲ ۱۰۰ ایضاً،ص۷۶

۱۰۱ ایضاً،ص۸۲،۸۳ ۱۰۲ ایضاً،ص۸۴

۱۰۳ صدیقی،افتخار احمد،مقدمہ کلیاتِ نظم حالؔی (ج ۱)،ص۳۶۵،۳۹۱،۴۱۱،۴۱۲،۴۴۹

۱۰۴ ایضاً،ص۸۶ ۱۰۵ ایضاً،ص۸۷

۱۰۶ عبداللہ،سیّد،سرسیّد احمد خان اور ان کے نامور رفقاء کی اُردو نثر کا فنی اور فکری جائزہ،ص۹۳

۱۰۷ ایضاً،ص۹۳

۱۰۸ حسین،ممتاز،مقدمہ،حالؔی کے شعری نظریات ایک تنقیدی مطالعہ،ص۳

۱۰۹ حسین،ممتاز،محولہ بالا،ص۱۲۷ ۱۱۰ ایضاً،ص۲۷

۱۱۱ ایضاً،ص۱۴۱

۱۱۲ حالؔی،الطاف حسین،دیباچہ متعلق بہ ضمیمہ مسدس مدو جزر اسلام،مشمولہ کلیات نظم حالؔی(ج ا)ص۳۰ تا ۳۳

۱۱۳ حالؔی،الطاف حسین،مسدس مدوجزر اسلام ص۶۲مشمولہ کلیاتِ نظم حالؔی،(ج ا)ص۶۲

۱۱۴ خان،غلام مصطفےٰ بحولہ بالا ص۴۳

۱۱۵ حالؔی،الطاف حسین،کلیات حالؔی،مرتبہ:افتخاراحمد صدیقی (ج ا) ص۲۹۰،۲۹۱

۱۱۶ خان،غلام مصطفےٰ بحولہ بالا ص۱۰۱

۱۱۷ حالؔی،الطاف حسین،کلیات حالؔی،مرتبہ:افتخاراحمد صدیقی (ج ا) ص۲۷۰

۱۱۸ ایضاً،ص۳۵۱

کتابیات

بریلوی،عبادت،حالؔی کی تنقید،مشمولہ:ماہنامہ فروغ اُردو،(حالؔی نمبر) حصہ اوّل،لکھنؤ،فروری ۱۹۵۹ء

حالؔی،خواجہ الطاف حسین،۱۹۰۳ء،مقدمہ شعرو شاعری،مرتبہ:وحید قریشی،مکتبہ جدید،گوجرانوالہ

حالؔی،خواجہ الطاف حسین،۱۹۷۱ء،حیات جاوید،عشرت پبلشنگ ہاؤس لاہور،باردوم

،۱۹۶۸ء،کلیاتِ نثرِ حالؔی،مرتبہ:شیخ محمد اسماعیل پانی پتی (ج ۲) مجلس ترقی ادب،لاہور

،۱۹۶۸ء،کلیاتِ نظمِ حالؔی،مرتبہ:افتخاراحمد صدیقی (ج ا) مجلس ترقی ادب،لاہور

(سنہ ندارد)،یادگار غالبؔ،عشرت پبلشنگ ہاؤس،لاہور

حسین،سید احتشام،۱۹۸۳ء،اردو ادب کی تنقیدی تاریخ،ترقی اردو بیورو،نئی دہلی

حسین،ممتاز،۱۹۸۸ء،حالؔی کے شعری نظریات:ایک تنقیدی مطالعہ،سعد پبلی کیشنز،کراچی

خان،غلام مصطفیٰ،۱۹۵۶ء،حالؔی کا ذھنی ارتقاء،اعلیٰ کتب خانہ،کراچی

عابد حسین،صالحہ،۱۹۸۶ء،یادگار حالؔی،انجمنِ ترقی اردو ہند

عبداللہ،سید،۱۹۸۶ء،سر سید احمد خان اور ان کے نامور رفقاء کی اردو نثر کا فنی و فکری جائزہ،مقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد

عبداللہ،سید،۲۰۰۵ء،میر امن سے عبدالحق تک،مجلسِ ترقی ادب،لاہور

علی،سید شاہ،۱۹۶۱ء،اردو میں سوانح نگاری،گلڈ پبلشنگ ہاؤس،کراچی